ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

نئی نسل کی دینی تعلیم کی فکر

''جس طرح اپنے ایمان اور ارکان اسلام کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اس کے لیے ہر ضروری انتظام ہمارا فریضہ ہے اسی طرح مسلمانوں کی نئی نسل کے لیے دینی تعلیم کا انتظام اور مشرکانہ تعلیم کے اثرات سے بچانے کی جد و جہد وقت کا فریضہ اور جہاد اور افضل و مقدس ترین عبادت ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی درخت کو درخت کے دشمنوں سے بچانے اور اس کو سینچنے اور پانی دینے سے غفلت برتی گئی تو وہ درخت زندہ اور سرسبز نہیں رہ سکتا اور اس سے پھل پھول کی توقع خام خیالی ہے۔''

——— مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Rs. 15/-

November 2021

کرۂ ارض کے آفتابِ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

''پس تمام کرۂ ارضی کی روشنی کے لیے یہی آفتابِ ہدایت ہے، جس کی عالم تسخیر کرنوں کے اندر دنیا اپنی تمام تاریکیوں کے لیے نور بشارت پاسکتی ہے اور اس لیے صرف وہی ایک ہے، جس کے طلوع کے پہلے دن کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی اور اگر اس نے بھلا دیا تو وہ وقت دور نہیں جب اسے کامل عشق و شیفتگی کے ساتھ صرف اسی کے آگے جھکنا پڑے گا اور اسی کو اپنا کعبۂ امید بنانا پڑے گا۔

اس مقدس پیدائش نے دنیا میں ظاہر ہو کر یہ نہیں کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے آیا ہوں، بلکہ اس نے کہا کہ تمام عالم انسانیت کو غیر الٰہی غلامیوں سے نجات دلانا میرا مقصد ظہور ہے، اس نے صرف اسرائیل کے گھرانے کی گمشدہ رونق ہی سے عشق نہیں کیا، بلکہ تمام عالم کی اجڑی ہوئی بستی پر غمگینی کی اور ان کی دوبارہ رونق و آبادی کا اعلان کیا، اس نے خدا کی محبتوں کی طرف دعوت نہیں دی، جو صرف سینا کی چوٹیوں پر یا ہمالہ کی گھاٹیوں میں بستا ہے، بلکہ اس رب العالمین کی طرف بلایا جو تمام نظام ہستی کا پروردگار ہے اور اس لیے تمام کائنات عالم کو اپنی طرف بلا رہا ہے، ہم کو دنیا میں سکندر ملتا ہے جس نے تمام دنیا کو فتح کرنا چاہا تھا، لیکن ہم دنیا کی پوری تاریخ میں خدا کے کسی رسول کو نہیں پاتے، جس نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد کیا ہو۔

اس کا صرف ایک ہی اعلان ہے جو آغاز خلقت سے اب تک کہا گیا ہے اور اس لیے اگر دنیا نسلوں، قوموں اور رقبوں کا نام نہیں ہے، بلکہ مخلوقات الٰہی کی اس پوری نسل کا نام ہے، جو کرۂ ارضی کی پیٹھ پر بستی ہے تو وہ مجبور ہے کہ ہر طرف سے مایوسی کی نظریں ہٹا کر صرف اس ایک ہی اعلان عام کے آگے جھک جائے اور صرف اس کی پیدائش کے دن کو اپنی عمر کا سب سے بڑا دن یقین کرے۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (کیا ہی پاک اور برکتوں کا چشمہ ہے ذات اس کی جس نے اپنے برگزیدہ بندے پر الفرقان نازل کیا، تاکہ وہ قوموں اور ملکوں ہی کے لیے نہیں، بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کے لیے ڈرانے والا ہو)

دنیا میں جس قدر داعیان حق و صداقت کے اعلانات موجود ہیں، اگر دنیا ان کو بھلا دے گی تو یہ صرف قوموں اور ملکوں کی سعادت کی فراموشی ہوگی، کیونکہ اس سے زیادہ انہوں نے کچھ نہیں کہا، لیکن اگر اس ربیع الاول کو بھلا دیا تو یہ تمام کرۂ ارضی کی نجات کو بھلا دینا ہوگا۔''

(ولادت نبوی: ۳۷-۳۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۳ — نومبر ۲۰۲۱ء - ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۱۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حسد اور بغض کا انجام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(تمہارے اندر سابقہ قوموں کی ایک بیماری آ گئی ہے، حسد اور بغض کی بیماری مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈنے والی ہے بلکہ وہ دین کا صفایا کرنے والی ہے۔)

(سنن الترمذی: ۲۶۹۹)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

اس وقت کرنے کے دو کام (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

عزم مصمم اور قوتِ فیصلہ- ملت اسلامیہ کی ایک اہم ضرورت....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

معبودان باطل اور ان کے پرستار.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

مدارات کے حدود اور توضع کی اہمیت.....۸

.....مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سچائی کیا ہے؟ (مسلسل).....۱۰

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا کو اسلام ازم کی ضرورت.....۱۲

.....مولانا محمد ناظم ندوی

ابوالقاسم الزہراوی (Father of Surgeries)...۱۳

بھوک اور خوف.....۱۴

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

زکوٰۃ کے چند مسائل (۴).....۱۶

.....مفتی راشد حسین ندوی

سادگی کا اعلیٰ نمونہ.....۱۸

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

فتح وغلبہ کا حقیقی سرچشمہ.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

دخترِ محبوبِ ربِ کائنات

نتیجۂ فکر:- سمعان خلیفہ ندوی بھٹکلی

اے فاطمہ اے دخترِ محبوبِ ربِ کائنات
اے پرتوِ مہرِ مبیں، اے جلوۂ روحِ حیات

اے مشعلِ صدق وصفا، اے منبعِ جود وسخا
اے ہمدمِ شیرِ خدا، اے شمعِ نورِ شش جہات

شیریں سخن، روشن جبیں، تو خلد کی مسند نشیں
سانسوں میں بوئے عنبریں، فخرِ بناتِ طاہرات

عکسِ نبی جلوہ نما کردار میں گفتار میں
تو پیکرِ لطف وکرم، تو نقشِ آئینِ ثبات

دہلیز پر سایہ فگن وحیِ خدا کی روشنی
تھے زیرِ دامان صدف عالی گہر، والا صفات

اے حاملِ بختِ رسا تیرے شرف کو کیا لکھوں
ہے تیری گردِ رہ گزر یہ ماہ وانجم کی برات

تو آبروئے اہلِ حق آئینہ حسنِ نبی
ہے تجھ سے منزل کا نشاں، تجھ سے وقارِ طیبات

تیرے بلند اطوار کی کیسے کروں مدح وثنا
تیری حیاتِ پاک ہے انوارِ چشمِ مومنات

اللہ سے یہ ہے دعا، ہر گام پر صبح ومسا
سمعانؔ کو ملتا رہے بس نغمۂ حمد وصلات

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس وقت کرنے کے دو کام

ملک میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ایمان کی حفاظت کا ہے، نئی نسل جس تیزی کے ساتھ بے راہ روی کا شکار ہورہی ہے وہ ایک لمحہ فکریہ ہے، مدرسوں اور مکاتب میں آنے والے بچے کتنے ہیں، پڑھنے والے پچانوے فیصد سے زیادہ بچے اور بچیاں اسکولوں اور کالجوں میں ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کو بے فکر چھوڑ دیا جاتا ہے، ان کے دماغ کا سانچہ ڈھانچہ کس طرح تیار ہورہا ہے، ان کو کیا سکھایا جارہا ہے اور اب تو کھلے عام کس طرح ان کو اسلامی تشخص کا باغی بنایا جارہا ہے، یہ تمام ایمان والوں کے لیے خاص طور پر علماء وقائدین ملت کے لیے کسی تازیانہ سے کم نہیں، جو نصاب تعلیم تیار کیا گیا ہے وہ سنجیدہ فکر کے تار و پود کو جس طرح بکھیر دیتا ہے اور بچوں کے معصوم ذہنوں کو جس طرح متاثر کرتا ہے، وہ کسی اسلامی فکر، اسلامی نظام تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے کے لیے مخفی نہیں۔

یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ پڑھنے والے بچے صرف ایک خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، کل ہی کسی نے نصابی کتاب کا ایک لیسن دکھایا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ مسلمانوں کا تہوار عید ہے، وہ اس میں ایسا کرتے ہیں اور ہندوؤں کا تہوار دیوالی ہے، اس میں ہم اس طرح خوشیاں مناتے ہیں، یہ ''وہ'' اور ''ہم'' کا فرق کس چیز کی غمازی کرتا ہے، یہ تو لاشعور کی بات ہوئی، اس سے کہیں بڑھ کر مظاہر شرک کو خوشنما بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور اسلامی تاریخ کو ایسا مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے کہ معصوم ذہنوں کے لیے وہ کسی زہر ہلاہل سے کم نہیں، ایک طرف یہ نصاب اور نظام تعلیم مسلمان نسل کو ارتداد کی طرف لے جارہا ہے تو دوسری طرف بے حیائی کا طوفان کریلا نیم چڑھا کی مثال پیش کررہا ہے۔

ادھر تقریباً ایک دہائی سے جس تیزی کے ساتھ ارتداد کے واقعات سامنے آرہے ہیں وہ پوری نسل کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے، ایک دور عملی ارتداد کا گذرا ہے، لیکن اب کھلا ہوا اعتقادی ارتداد لگتا ہے کہ ایک سیلاب ہے جو پوری نسل کو بہالے جائے گا، اس کو اگر روکنے کی کوشش نہ کی گئی اور اس کا سدباب نہ ہوا تو اللہ ہی خیر کرے۔

اس کے لیے دو بنیادی کام ہیں، اگر وسیع پیمانہ پر جگہ جگہ ان کو اختیار کرلیا جائے تو حالات بدل سکتے ہیں، پہلا کام تو یہ ہے کہ غیر اسلامی اسکولوں کالجوں میں جانے والے سو فیصد بچوں کے لیے جگہ جگہ صبح وشام کے مکاتب حسب ضرورت قائم کیے جائیں، اس کے لیے سب سے آسان یہ ہے کہ اس کو مساجد سے جوڑ دیا جائے اور ہر مسجد سے متعلق محلوں اور گھروں کے ایسے تمام بچوں اور چھوٹی بچیوں کو مسجد میں ایک دو گھنٹے کی اسلامی تعلیم دی جائے جو اسکولوں میں جاتے ہیں اور بڑی بچیوں کے لیے محلّہ محلّہ جزوی مکاتب قائم کیے جائیں۔

دوسری بات بہت اہم اور بنیادی ہے، پورے ملک میں اسلامی اسکولوں کا جال بچھا دیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ہر مسلمان بچہ اور بچی اسلامی اسکولوں میں ہی تعلیم حاصل کرے اور ان میں دو باتوں کا خاص اہتمام ہو، ایک تو وہ اسکول معیاری ہوں اور اس میں کوئی کمپرومائز نہ کیا جائے، دوسرا یہ کہ ان میں اسلامی تعلیم کا ایسا انتظام ہو کہ بچہ ایک سچا مسلمان بن سکے، اپنے عقیدہ کے اعتبار سے اور اپنے عمل کے اعتبار سے بھی اور جہاں جہاں اسکول قائم نہ ہوسکے ہوں وہاں پہلی تجویز پر عمل کیا جائے۔

یہ دو وہ کام ہیں جو ہر درد وفکر رکھنے والے کے لیے، دین کی سمجھ رکھنے والے کے لیے اس وقت فرض عین ہیں، اپنے ہر کام کے ساتھ علماء ودانشوران ملت ان کو اگر ضروری سمجھ لیں تو انشاء اللہ حالات بدل سکتے ہیں اور یقیناً اللہ کی مدد جان کھپانے والوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اللہ کے لیے اپنی جان کھپاتے ہیں۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

عزم مصمم اور قوتِ فیصلہ

ملت اسلامیہ کی ایک اہم ضرورت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

آپ سلسلہ ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقائے ایمان اور تعلق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کرلی جائے اور دنیا سے جانے سے پہلے اولاد سے یہی عہد و پیمان لے کر جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے اور جب جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

(اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو! اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پس نہ مرنا مگر مسلمان)

نہ صرف یہ عہد و پیمان ضروری ہے بلکہ اس کے لیے وسائل کا مہیا کرنا، اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اس کا اطمینان حاصل کرلینا بھی ضروری ہے، اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کا امتحان لیا اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سنایا۔

بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہوجاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لیے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لیے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لیے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہیے اور یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشو ونما کے لیے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں!

یہ بھی یاد رکھئے کہ اصلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن وسنت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لے کر عائلی قانون، نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط واحکام ہیں اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہی کے مطابق زندگی گذاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں

سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرام نے انہیں سیکھا اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کیا ابتدائی اور نئی تاریخ کی وضع وتدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط کی تبدیلی ہی قدیم تہذیبی، علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بیگانہ بنا دینے کے لیے کافی ہے، آرنلڈ ٹوآئن بی نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور مؤرخ ہے لکھا ہے کہ ''اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط بدل دینا کافی ہے'' رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر جس طرح چاہو اس کو لے جاؤ، جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے ۶۰-۷۰ سال پہلے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انہوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت، ان کے غیر محدود وغیر مشروط اختیارات اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

زبان اور رسم الخط بدل جانے سے اور ثقافتی وتعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم وعمیق انقلاب آ سکتا ہے اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب وتمدن، علمی اشتغال وکمال، مساجد ومدارس کثرت شان وشوکت کے لحاظ سے کسی خالص قدیم الاسلام (اسلامی تمدن اور عربی زبان کے حامل) کی حیثیت سے کسی قدیم اور خالص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا، لیکن وہاں زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کیے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ عمل، زبان اور تمدن وثقافت کے لحاظ سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا تو وہ اندلس ہے، جس کے انقلاب حال کے لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ کافی ہے۔

اس کی فضا بے اذان، اس کی زمین بے سجود

حضرات! ایک آزاد جمہوری حکومت کا جس کی بنیاد خالص حب الوطنی، رضا کارانہ، جذبہ خدمت اور اس مشترکہ جنگ آزادی پر پڑی ہو، جس میں ملک کے تمام شہری اور اکثریت واقلیت کے افراد دوش بدوش شریک رہے ہوں، سب سے عظیم ومقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو، کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہو سکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو اور واضح رہے کہ اس حقیقت پسند انسان کی حیثیت اس میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی ومعنوی، نسلی واعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے۔

اس بارے میں مسلمانوں کا معیار اور زیادہ بلند اور ان کی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے، اس کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات، ان کے حصول زندگی اور ان کے اس فہم وفکر اور نقطہ نظر سے ہے جو دین ودنیا، فوز وفلاح، فرد وجماعت کی کامیابی وسعادت کے بارے میں وہ رکھتے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان آئینی جدوجہد کے تمام طریقوں سے کام کر کے اور اجتماعی عزم وفیصلہ کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لیے حقیقی اور کامل تحفظ کی فضا پیدا کریں، جس کے بغیر آزادی آزادی نہیں غلامی ہے اور گھر چمن نہیں، قید خانہ اور قفس ہے۔

معبودانِ باطل اور ان کے پرستار

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

﴿مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُداً☆وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقاً☆وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفاً﴾(الکہف: ۵۱-۵۳)

(نہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے ہوئے انھیں حاضر کیا تھا اور نہ خود ان کو پیدا کرتے ہوئے اور ہم بہکانے والوں کو (دست و) بازو نہیں بناتے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ بلالو میرے ان ساجھیوں کو جن کو تم نے (ساجھی) سمجھا تھا تو وہ آوازیں دیں گے بس وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک خندق حائل کردیں گے اور مجرم لوگ آگ دیکھیں گے تو سمجھ لیں گے کہ ان کو اسی میں گرنا ہے اور اس سے واپسی کا ان کو کوئی راستہ نہ ملے گا)

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مشرکین سے خطاب کرکے فرماتا ہے کہ جب ہم آسمان وزمین پیدا کررہے تھے تو یہ ہمارے سامنے موجود نہیں تھے اور اگر یہ موجود ہوتے بھی تو کیا ہم اپنا کام ان کے سپرد کردیتے؟ ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ خود ان کو بھی ہم ہی نے پیدا کیا ہے تو جب ہم ان کو پیدا کررہے تھے، کیا اس وقت یہ دیکھ رہے تھے کہ ہم ان کو پیدا کررہے ہیں؟ کیا انہوں نے اپنی پیدائش کو دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ تو اس وقت بھی کچھ نہیں تھے اور بعد میں بھی کچھ نہیں ہوں گے، پھر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ گمراہ کرنے والے ہیں ان کو ہم اپنا ''عضد'' یعنی معاون نہیں بناتے، عربی زبان میں عضد شانہ کو کہتے ہیں، یہ لفظ عربی میں مدد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو مددگار نہیں بنا سکتے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔

ارشاد ہے کہ جن کو تم نے اپنا معبود سمجھ رکھا ہے، ان سے تم اپنی مصیبتوں کو ٹالنا چاہتے ہو اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، یہ وہ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، جب ہم دنیا بنا رہے تھے اور یہ پورا عالم بنا رہے تھے تو کیا اس وقت یہ موجود تھے؟ کیا اس وقت ہمارے ساتھ شریک تھے؟ کیا یہ چیزوں کو جانتے ہیں؟ یہ تو وہاں موجود بھی نہیں تھے، تو اب ہم نظام چلانے میں ان سے کیا مدد لیں گے؟ کیا ہم ان کو اپنا واسطہ بنائیں گے؟ کیا ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنا کام ان کے سپرد کریں؟ ہمیں اس کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکم کی تنفیذ میں ''کن فیکون'' سے کام لیتا ہے، اس نے جب ارادہ کیا اور چاہا تو چیز ہوجاتی ہے، اس کو کسی واسطہ یا تدبیر یا ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ذریعہ کچھ نہیں ہے، اس کا چاہنا اور اس کے علم میں آنا ہی کافی ہے، بس اسی سے چیز وجود میں آجاتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ''لا یعلم'' کی تعبیر کئی جگہ استعمال ہوئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلاَ فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(یونس: ۱۸) (کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اس چیز کی اطلاع دے رہے ہو جو آسمانوں میں اور زمین میں وہ نہیں جانتا، جو کچھ وہ شریک کرتے ہیں اس کی ذات اس سے پاک ہے اور بہت بلند ہے)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کسی چیز سے ناواقف ہے، بلکہ اللہ کے نہ جاننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہے ہی نہیں اور اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، اللہ کا علم کسی چیز کے وجود کی علامت ہے، کسی چیز کا وجود بغیر اللہ کے علم کے ممکن نہیں، اللہ کہتا ہے کہ یہ ایسی بے تکی بات کرتے ہیں اور ایسی چیزوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو معلوم نہیں ہیں، اس کی ذات ان سب باتوں سے بالکل پاک اور برتر ہے۔

اللہ کے علم کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے، کائنات میں ہمیں سارا کچھ جو نظر آرہا ہے یہ اسی کے علم ہی کا نتیجہ ہے، اگر خیال کا لفظ نامناسب نہ ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بس اللہ کو ایک خیال آیا اور فوراً چیز

وجود میں آ گئی یعنی چیز کے وجود میں آنے کے لیے اس کے علم میں آنا ہی کافی ہے، اسی لیے اللہ کو اپنا حکم جاری کرنے میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کام کے لیے کسی کو ذریعہ بنائے اور افسر یا لوگ مقرر کرے کہ وہ یہ کام کریں، اس کے سامنے فرشتے بھی جامد کی طرح ہیں، اللہ چاہتا ہے تو فرشتے کام کرتے ہیں اور وہ اس کے چاہنے کو ہی جانتے ہیں، جب اللہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو ان کو فوراً اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اسی میں لگ جاتے ہیں، لہٰذا ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ پوری کائنات کا جو اتنا بڑا انظام چل رہا ہے، یہ اللہ کے علم ہی سے چل رہا ہے اور اللہ کے علم کو فرشتے جان لیتے ہیں اور پھر وہ اسی علم کے مطابق کام کرتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (النحل: ٦٠) (اور جو کہا جاتا ہے وہ (فرشتے) بجالاتے ہیں)

گمراہ کرنے والوں کا یہ نتیجہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت مشرکین کے معبود بھی حاضر ہوں گے، یعنی وہ بزرگ اور بڑی شخصیتیں جن کو یہ لوگ اپنا کارفرما سمجھتے تھے اور ان کے متعلق انہوں نے یہ سنا تھا کہ یہ بڑے نیک لوگ تھے، اسی لیے وہ ان کو اپنے معبود کی طرح استعمال کرنے لگے تھے اور انہی سے سب کچھ مانگتے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر انہی کی دہائی دیتے تھے، یہ سب وہاں موجود ہوں گے، اس وقت اللہ مشرکین سے کہے گا کہ بلاؤ اپنے ان شرکا کو جن کو تم نے اللہ کا شریک بنالیا تھا اور تم ان کے ساتھ اللہ والا معاملہ کرنے لگے تھے، تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور ان میں ایسی طاقت موجود ہے، تو آج انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہاری مدد کریں، تم دنیا میں یہ سمجھتے تھے کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو اصلاً آج تمہاری مدد کا موقع ہے، چنانچہ وہ اپنے معبودان باطل کو پکاریں گے کہ ہماری مدد کیجیے، آج ہم آپ کی مدد کے بہت زیادہ محتاج ہیں، ہم دنیا کی زندگی میں آپ سے مدد مانگتے تھے، آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ جوڑتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے، لیکن وہ لوگ ان کی پکار پر لبیک نہیں کہیں گے اور نہ ہی ان کی بات کا کوئی جواب دیں گے، اس لیے کہ وہ خود اس دن مصیبت میں ہوں گے، ان کا خود حساب ہو رہا ہوگا اور ان کو خود اپنی پڑی ہوگی، اگر وہ مدد کرنے کی پوزیشن میں ہوتے تب بھی اس موقع پر مدد نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ تو خود اس دن خطرہ میں ہوں گے، اللہ فرماتا ہے کہ اس دن ہم ان دونوں کے درمیان میں سے ایک خندق بھی بنا دیں گے۔

دنیا میں جن مجرمین نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، وہ اپنے سامنے جہنم کی آگ کو پھیلا ہوا دیکھیں گے اور اس وقت بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا، بلکہ انہیں آگ کے طوفان سے گذرنا ہوگا اور انہیں یہ پوری طرح یقین ہو جائے گا کہ اب وہ آگ میں جانے والے ہیں، اس لیے کہ آگ ان کی طرف چلی آ رہی ہے اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، تو وہ سمجھ لیں گے کہ اب ہمیں اس میں داخل ہونا ہی ہے، اللہ نے فرمایا کہ اس سے انہیں پلٹنے کی کوئی جگہ اور کوئی راستہ نہیں ملے گا، جس کے ذریعہ وہ آگ سے بچ سکیں، بلکہ جہنم کی آگ چاروں طرف سے انہیں گھیرتی چلی جا رہی ہوگی۔

فرمایا کہ یہ صورت حال پیش آنے والی ہے، دنیا کی زندگی میں جس کو چاہو معبود سمجھ لو، جس کو چاہو سمجھ لو وہ کارپرداز ہے، تمہارا کام کرا دے گا، اللہ والا کام کر دے گا وہ، ظاہر ہے جو لوگ قبروں پر جاتے ہیں، بتوں کے سامنے جاتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والا کام یہ کرتے ہیں، انسان والا کام تو خود ہی کر لیتے ہیں، انسان کو جتنا اختیار اللہ نے دیا ہے وہ تو کرتا ہی ہے، جہاں انسان کا اختیار ختم ہو جاتا ہے کہ مرض ہے کہ وہ ناقابل علاج ہے، سارا علاج کر لیا، جو کر سکتے تھے، انسان کی کوشش میں جو تھا سب کر ڈالا، کچھ نہیں ہوا تو اب ایسے سے مانگو جو کر سکتا ہو، تو فرمایا کہ ان لوگوں کے سامنے یہ بات رکھنی چاہیے کہ یہاں تو یہ بے وقوفی میں ان کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں، ان کے اندر اللہ کی طاقت محسوس کر رہے ہیں، وہاں جب قیامت میں یہ سب موجود ہوں گے، ان کے یہ معبود بھی اور ان کے محترم لوگ بھی اور یہ بھی، اور یہ ان کو پکاریں گے وہ کوئی جواب نہیں دیں گے، وہ اس حال ہی میں نہیں ہوں گے کہ کچھ کہہ سکیں۔

مدارات کے حدود اور تواضع کی اہمیت

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

تکبر، تواضع کے بالکل برخلاف چیز ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: جو تواضع اختیار کرے گا وہ سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا اور جو تکبر کرے گا وہ سب سے زیادہ دور ہوگا، لیکن آج کل کی حقیقت یہ ہے کہ لوگ ظاہری طور پر اگرچہ تواضع دکھاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ لوگ تواضع سے بالکل خالی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بسا اوقات لوگ اپنے خطوط میں لکھ بھی دیتے ہیں ''خاکسار'' ''ناچیز''، ''ہیچ مداں''، لیکن اگر دیکھا جائے تو جتنے لوگ اس طرح لکھنے والے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو ان الفاظ کی حقیقت کو اپنے اوپر منطبق کرنا بھی پسند کرتا ہو، بلکہ بعض دفعہ کچھ لوگ تواضع اس لیے بھی اختیار کرتے ہیں کہ اپنی تعریف سن سکیں۔

تواضع اور خوش اخلاقی میں مدارات کا بھی خاص خیال رکھنا ضروری ہے اور حضور ﷺ نے اس کا خاص خیال بھی فرمایا ہے، روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے کسی صحابی نے معلوم کیا کہ آپ سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کو، پھر معلوم کیا اس کے بعد کس کو محبت فرماتے ہیں؟ فرمایا: عمر کو، غرض کہ حضور ﷺ یکے بعد دیگرے جو جس کا مقام تھا اسی اعتبار سے بتاتے رہے، یہاں تک کہ صحابی کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے معلوم ہی نہیں کیا کہ آپ ﷺ مجھے کس نمبر پر چاہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو تواضع ایسی اختیار کرنا چاہیے کہ ہر انسان اس کے متعلق اچھا خیال رکھے اور چونکہ نبی ﷺ تمام حضرات کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، اس لیے ہر ایک آپ کو اپنا سب سے زیادہ محبوب سمجھتا تھا، البتہ تواضع وخوش اخلاقی میں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ انسان مدارات کا خیال بھی باقی رکھے، ورنہ بسا اوقات اس کا بھی غلط اثر پڑ جاتا ہے۔

لیکن اسی مدارات کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ مداہنت کرنا ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ خوش اخلاقی میں صرف مدارات کی اجازت ہے مداہنت کی نہیں ہے، مداہنت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ کسی موقع سے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے دین کا نقصان واقع ہوتا ہو۔

البتہ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کا طریقہ خود حضور ﷺ نے عمل کر کے لوگوں کو عطا فرمادیا کہ جب تک شریعت کے حرمات کی پامالی نہ ہو رہی ہو تب تک مزاح کی اجازت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ مسجد میں صفوں کو تیر کے ذریعہ سے سیدھا فرما رہے تھے، تو ایک صاحب کا پیٹ باہر نکلا ہوا تھا، آپ ﷺ نے ان کے اوپر تیر لگا کر فرمایا: برابر کھڑے ہو جاؤ، لیکن آپ ﷺ کو اپنی اس بات کا بعد میں یہ احساس ہوا کہ میں نے یہ بات ان کے جسم پر تیر لگا کر کہی تھی ''برابر ہو جاؤ'' تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو کچھ تکلیف ہوگئی ہو، چنانچہ اس شکایت کو دور کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: جس کو مجھ سے تکلیف پہنچ گئی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو آپ ﷺ پر بالکل فدائی تھے، وہی لوگ آپ ﷺ سے بدلہ کیسے لے سکتے تھے؟ اس کے باوجود ان صحابی نے جن کے آپ ﷺ نے تیر لگایا تھا، انہوں نے فرمایا: میں بدلہ لوں گا، جس کی وجہ سے سارے مجمع میں ہل چل مچ گئی، لیکن آپ ﷺ کو ذرا بھی تامل نہ ہوا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنا پیٹ کھولا اور فرمایا: یہ تیر لو اور جس طرح میں نے کیا تھا، تم بھی ویسے ہی کرلو، چونکہ وہ بھی صحابی رسول تھے، ایسا کرنا کیوں کر گوارا فرما سکتے تھے؟ اس لیے جیسے ہی آپ ﷺ نے اپنا پیٹ کھولا تو وہ صحابی آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور فرمایا: اب اس پاک بدن سے

اپنے بدن کو مس کرلیا ہے، لہٰذا جہنم میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، معلوم ہوا آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اس وقت تک رحم دلی وخوش اخلاقی کا معاملہ فرماتے تھے جب تک شریعت کے معاملہ میں دخل اندازی نہ کی جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے مزاح کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک معمولی درجہ اور معمولی صورت کے صحابی جو منڈی میں کام کرتے تھے اور سامان فروخت کرنے کے لیے بولی لگایا کرتے تھے، ایک بار وہ منڈی میں آواز لگا رہے تھے کہ اچانک وہاں سے رسول ﷺ کا گزر ہوا، لیکن وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول تھے کہ آپ ﷺ کو دیکھ بھی نہ سکے، لہٰذا حضور ﷺ نے پیچھے سے جا کر ان کی آنکھیں بند کرلیں اور چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے طاقت بھی عطا فرمائی تھی، اس لیے اس طرح زور سے پکڑا کہ وہ کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہے تھے، لیکن جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ڈھیلا کیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں، تو خود کہتے ہیں کہ میں قصداً اور پیچھے ہوگیا تا کہ میرا جسم حضور ﷺ کے جسم سے مس کرجائے، جس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اس غلام کو کون خریدے گا؟ اور پھر آپ نے ان کی بولی لگائی، تو بعض نے کہا: حضرت یہ اتنا معمولی ہے کہ ٹکوں ہی میں بک جائے گا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! یہ اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہے۔ اللہ اکبر!

معلوم ہوا جہاں تک دین کی حرمت کی پامالی کا خوف نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ اس حد تک لوگوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ فرماتے تھے، لیکن اگر کہیں دین کا مسئلہ پیدا ہوجائے تو آپ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص بھی غصہ والا نہیں ہوتا تھا، درحقیقت یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، یعنی اللہ کے لیے ہی محبت کی جائے اور اسی کے لیے بغض کیا جائے، لیکن آج کل کا معاملہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے نفس کا رہ گیا ہے، یہاں تک کہ جو حضرات صاحب اولاد ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی اولاد نماز چھوڑ دے، شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دے، تو ان کے سروں پر جوں بھی نہیں رنگتی، لیکن اگر ذرا سی بھی ان کی شان میں بدتمیزی کردے تو فوراً آگ بگولہ ہوجاتے ہیں، حالانکہ خود ان کے اعمال تعلیمات نبوی کے سراسر خلاف ہیں، کیونکہ وہ غصہ ہونے کے محل پر غصہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں۔

تواضع کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان اس کے نتیجہ میں ہمیشہ اپنی برائیوں پر نظر رکھنے والا بن جاتا ہے، اسی لیے حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ؎

کھل گئی جب سے چشم بصیرت
اپنی نظر میں گر گئے ہم

اگر انسان کی چشم بصیرت کھل جائے تو اس کو اپنے عیوب دیکھنے کی وجہ سے کسی دوسرے پر فخر کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے ساتھ ظاہری وباطنی دونوں برائیاں ہیں، جس طرح ظاہر میں ستر عورت کا حکم ہے، اسی طرح باطن میں بھی کچھ چیزوں کو جسم میں چھپا کر رکھنے کا حکم ہے یعنی باطنی طور پر جو کچھ خیالات و جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، گویا جس طرح انسان کشف عورت سے ذلیل ہوتا ہے اسی طرح کمزوری والی باتیں بھی انسان کے لیے باعث ننگ وعار ہوتی ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، انسان کے سامنے جس قدر اپنے گناہوں کا احساس ہوگا اتنا ہی وہ شخص تکبر سے پاک ہوگا، کیونکہ اس کو اپنی حقیقت کا علم ہے۔

بزرگان دین کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کو بہت معمولی درجہ کا انسان سمجھتے تھے، یہاں تک کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا حال خود ہم نے دیکھا کہ آپ کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اللہ نے ان کو اتنا بلند مقام عطا فرمایا ہوگا، کیونکہ درحقیقت جب کوئی انسان تواضع کے ساتھ اتنی بلندی پر پہنچ جاتا ہے، تو اس سے ظاہرداری ختم ہوجاتی ہے، بلکہ وہ محض سنت کے مطابق ہی اعمال کرتا ہے، اس کے علاوہ دکھاوے کے لیے کچھ بھی نہیں کرتا۔

مسلسل

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پسندیدہ صفات:

ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے حضور ﷺ سے متعلق جن صفات کا ذکر کیا ان میں پہلی چیز نماز ہے، جو ابتداء ہی میں فرض ہوگئی تھی، آپ ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو امت کے لیے نماز کا تحفہ ملا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے جو صفات بیان کیں یہ وہ صفات ہیں جن کا حکم آپ ﷺ شروع سے دیتے تھے، مثلاً: ابوسفیان نے ذکر کیا کہ آپؐ سچائی اور صدقہ کا حکم دیتے ہیں، ظاہر ہے یہ وہ صفات ہیں جو ہر جگہ اور ہر مذہب میں پسندیدہ ہیں۔

انسانی سماج میں سچائی کی اہمیت:

جو شخص بھی اپنے اندر ذرا سی انسانیت رکھتا ہے تو وہ سچائی کو پسند کرتا ہے اور سچائی کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ نجات کا راستہ ہے، سچائی ایک ایسی بنیادی صفت ہے کہ بہتر سماج کو بنانے میں اس کا بہت ہی اہم کردار ہے، اس لیے کہ اگر جھوٹ سماج میں پنپے گا، تو نہ کوئی کاروبار صحیح چل سکتا ہے، نہ معاملات صحیح انجام دیے جاسکتے ہیں، نہ آپس کے تعلقات صحیح طریقہ پر قائم رہ سکتے ہیں، اس لیے کہ پھر اس میں ہیر پھیر ہوگا، آدمی کہے گا کچھ اور کرے گا کچھ، تو کسی پر کسی کو کوئی اعتماد باقی نہیں رہ سکتا اور سماج اعتماد ہی سے چلتا ہے، جب آدمی کو اعتماد ہوتا ہے تو آدمی معاملات انجام دیتا ہے، ایک دوسرے سے روابط قائم کرتا ہے، تعلقات بحال کرتا ہے اور اگر یہ اعتماد نہ ہو تو یہ سارا کاروبار فیل ہوجائے گا۔

انسانی سماج میں سچائی کی بڑی اہمیت ہے اور ہر مذہب کے لوگ اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، شاید صرف شیعہ ہی ایسے ہوں گے جن کے یہاں تقیہ ہے، تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے جھوٹ بولا جاسکتا ہے، ان کے یہاں جھوٹ بولنا جائز ہے، بلکہ بہت ثواب کا کام ہے، انہوں نے یہ بات یہاں سے چلائی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ وجانشین تھے، لیکن معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کا حق غصب کیا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حق غصب ہوا تھا تو حضرت علیؓ مقابلہ کے لیے کھڑے کیوں نہیں ہوگئے؟ ان کو حق کے لیے لڑنا چاہیے تھا، مگر پھر بھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیعت کیوں کرلی؟ تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے تقیہ کرلیا تھا، یعنی وہ جانتے تھے کہ لڑائی جھگڑا ہوگا تو اس سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر حق پر نہیں ہیں پھر بھی بیعت کرلی، گویا انہوں نے اپنے کو بچانے کے لیے عملی طور پر جھوٹ بولا اور اپنی زبان سے بھی جھوٹ بولا، یعنی وہ سراپا جھوٹ بن گئے، اسی لیے ان لوگوں کے نزدیک جھوٹ جائز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسا شاید ہی کوئی مذہب ہو، جس میں جھوٹ کو اہمیت دی گئی ہو، ورنہ ہر مذہب کے لوگ سچائی کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور دنیا اسی سچائی پر قائم ہے، اگر سچائی نہ ہو تو دنیا کا نظام نہیں چل سکتا، اسی طرح صدقہ وخیرات کرنا اور لوگوں کی مدد کرنا، یا پاک دامنی وغیرہ کی بھی اہمیت ہر مذہب میں ہے۔

عیسائی مذہب کی تعلیمات:

جو مذہب اپنی اصل کو بالکل چھوڑ چکے اور وہ راستہ بھٹک چکے تو ان کے یہاں انسانیت سوز حرکتیں ہوتی ہیں اور آخری درجہ کی برائیاں ہوتی ہیں، آج یورپ میں جو کچھ ہورہا ہے یہ کوئی مذہب نہیں ہے، یہ ایک کلچر ہے، عیسائیت کی جو بنیادیں ہیں، ایک تو وہ عیسائیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، جو حقیقت میں اسلام تھا، اس کی تو پہلے مرحلہ میں ہی چھٹی ہوگئی تھی، پولس جسے سینٹ پال کہتے ہیں اس نے اس عیسائیت کا تیا پانچہ کردیا، وہ انتہائی مکر اور دھوکہ والا آدمی تھا، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی جو اصل عیسائیت ہے وہ ختم ہوگئی، بلکہ ان کے بڑے بڑے مفکرین نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باتیں لکھی جائیں تو اخبار کے ڈیڑھ کالم سے آگے نہیں بڑھ سکتیں، گویا ان کے

پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا کچھ حصہ ہے ہی نہیں، بلکہ وہ تو سب بعد کا فسانہ گڑھا ہوا ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس فسانہ میں وہ خرافات نہیں تھیں جو آج یورپ کے کلچر میں ہیں۔

یورپ کا کلچر بالکل ایک الگ چیز ہے، اس کو دنیا میں کوئی بھی مذہب والا جو انسانیت رکھتا ہو وہ اچھا نہیں سمجھتا، پاک دامنی کو سب اچھا سمجھتے ہیں، ان کا ایک بڑا مفکر پیدا ہوا الفرائڈ کے نام سے، اس نے اباحیت کا نظریہ پیش کیا کہ سب جائز ہے لہٰذا جو چاہو کرو، گویا اس نے انسان کو جانور بنا دیا، وہ کہتا ہے جیسے جانور کو آزادی ہے ویسے ہی انسان کو بھی آزادی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے عقل دے کر انسان کو جو ایک ریڈ لائن دی تھی کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے، اس نے وہ ریڈ لائن ختم کر دی، دیوانے تو دیوانے ہوتے ہیں، کچھ لوگ اس کے غیر معمولی دیوانے ہو گئے اور وہ حقیقت میں دیوانگی نہیں، بلکہ انہوں نے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ایک بہانہ تلاش کر لیا۔

انسانیت سوز حرکتیں:

آج آزادی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے یہ انسانیت سوز باتیں ہیں، انسانیت سے گری ہوئی باتیں ہیں، کوئی بھی مذہب اس کو پسند نہیں کرتا، ہر مذہب یہ کہتا ہے کہ پاک دامنی ہونی چاہیے، احتیاطیں ہونی چاہیے، اس کا حکم دیا گیا، اس کے راستے بتائے گئے اور سب سے بڑھ کر اسلام نے اس کی واضح تصویر پیش کی، جس سے زیادہ واضح تصویر کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا، انسان کے اندر یہ ضرورتیں ہیں اور ان ضرورتوں کی تکمیل کا سامان اگر نہیں کیا جائے گا تو دو شکلیں ہوں گی یا تو انسان بالکل جانور بن جائے گا اور سارے حدود پار کر جائے گا اور یا پھر اس کی ایسی شکل بن جائے گی کہ اس کی صلاحیتیں بھی برباد اور ضائع ہو جائیں گی، عیسائیوں نے یہی کیا کہ ان کے مذہبی لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اچھا کام نہیں ہے کہ انسان یہ سب بھی کرے، لہٰذا انہوں نے اس پر سرے سے پابندیاں لگائیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ عورت کو دیکھنا بھی گویا جرم ہے، حتیٰ کہ ماں اور بہنیں اور جو سگے رشتے ہیں ان کو بھی انہوں نے بالکل پامال کر دیا، ایسے ایسے واقعات ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، وہ جنگلوں میں نکل گئے اور بڑے بڑے گرجے بنا لیے، وہاں رہنے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ اگر عورت پر نگاہ بھی پڑ جائے گی تو دھرم نشٹ ہو جائے گا، گویا مذہب خراب اور برباد ہو جائے گا، بے چاری ماں ظاہر ہے اس کے لیے بیٹا بیٹا ہوتا ہے، وہ اپنی ممتا میں گئی کہ ایک دفعہ بیٹے پر نگاہ پڑ جائے اور میں اپنے بیٹے کو دیکھ لوں، لیکن جب بیٹے کو پتہ چلا تو وہ اندر گھستا چلا گیا کہ کہیں غلطی سے ماں کی نگاہ نہ پڑ جائے، آدمی جب اپنی طرف سے چیزیں ایجاد کرتا ہے اور دین و مذہب میں اپنی تجویز شامل کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ وہ خود بھٹکتا ہے اور دوسروں کو بھی بھٹکاتا ہے۔

اسلام کا متوازن نظام زندگی:

اجتماعی و انفرادی زندگی میں اسلام نے پورا توازن رکھا ہے، اسلام میں شادی کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے، فرمان نبوی ہے: اے نوجوانو! اگر تم شادی کر سکتے ہو تو ضرور شادی کرو۔

حدیث میں یہ حکم کیوں دیا گیا؟ ظاہر ہے سماج کو برائیوں سے بچانے کے لیے دیا گیا، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ ایک ایسی چیز کہی جا رہی ہے جو بہت اچھی نہیں ہے تو وہ ناسمجھی کی بات ہے، اللہ نے انسان کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے، اس صلاحیت کا اگر صحیح استعمال کیا جا رہا ہے تو یہ عین دین اور عبادت ہے اور اگر اس کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے تو یہ انتہائی بڑا گناہ ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے تعلق قائم رکھتا ہے تو یہ بھی صدقہ اور ثواب کا کام ہے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آدمی اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے تو کیا اس میں بھی ثواب ملے گا؟ فرمایا: اگر وہ ضرورت غلط طریقہ پر پوری کرتا تو گناہ ہوتا؟ صحابہ نے عرض کیا: بے شک گناہ ہوتا، پھر آپؐ فرمایا: جب وہ صحیح طریقہ پر اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے تو اس کے لیے اجر ہے۔

اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کے نبی ﷺ کی سنت سمجھ کر آدمی نکاح کرتا ہے، اپنی بیوی سے تعلق قائم کرتا ہے، لہٰذا یہ ثواب کا کام ہے اور یہ توازن صرف اسلام میں ہے، کسی مذہب میں اس کا عشر عشیر نہیں ملتا۔

دنیا کو اسلام ازم کی ضرورت

مولانا محمد ناظم ندوی

اس میں دورائے نہیں کہ آج پوری دنیا کو ایسے نظام رحمت کی ضرورت ہے جو انسانیت کے چہرے سے خون ناحق کے چھینٹوں کے دھبے صاف کر سکے، جو زیر دستوں کو زبردستوں کے خونیں پنجہ سے آزاد کرا سکے، آج دنیا کو ضرورت ہے ایسے نظام معیشت کی جو سرمایہ دارانہ نظام کی بالادستی کے تار و پود بکھیر دے اور دولت کی تہوں سے نکلنے والے وہ تصورات زیروزبر ہو جائیں، جو ظلم واستحصال کے طوفان بلاخیز کو دعوت دیتے ہیں، زمانہ متقاضی ہے ایسے معاشی نظام کا جو دولت کی منصفانہ تقسیم کا قائل ہو، دولت کی مساویانہ تقسیم کے نظریہ زندگی نے جو سنہرے خواب دکھائے تھے وہ بکھر گئے، ان کے اصول وقوانین سے کتابوں کا حجم تو بڑھا، لیکن مظلومیت اور غربت وافلاس کا خاتمہ نہ ہو سکا، عدل وانصاف کی گہری چھاؤں میں کسی کو آرام نہ مل سکا، اس ترقی یافتہ دور کو ضرورت ہے ایسے طرز زندگی کی جو کائنات کی وسعتوں و پہنائیوں کا ادراک کر سکے، جو سمندر کی تہوں سے لولوئے لالہ اور درشاہوار نکالے، ستاروں پر کمندیں ڈال کر انہیں اپنا زیر نگیں بنائے، فضائے بسیط پر قبضہ کر کے اس پر حکمرانی کرے، لیکن شعور کی ابتدا سے لے کر متاع حیات تک کی آخری سرحدوں تک اپنے مقصد تخلیق اور رب کائنات کے پیغام کو نہ بھولے، مادی ترقی اور زر پرستی کے ہجوم میں انفرادی حقوق اور اجتماعی ملکیت میں توازن واعتدال برقرار رکھے۔

آج دنیا کے انسان خود ساختہ نظامہائے زندگی میں ہچکولے کھا رہے ہیں، انہوں نے کمیونزم کا بھی تجربہ کر لیا ہے اور کیپٹل ازم پر بھی چل کر دیکھ لیا ہے اور بہت سے مصنوعی نظاموں کے تجربہ سے یہ دنیا دور جا چکی ہے، ان میں مصائب ومشکلات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے، اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل گیا ہے، مادیت پرستی کے عفریت اور زر پرستی کے حصول نے سلطنتوں کو ہضم کر ڈالا ہے، ملٹی نیشنل کمپنیوں نے حقوق کی آزادی پر خوبصورتی سے قدغن لگادی ہے، نیو ولڈ آرڈر نے انفرادی واجتماعی ملکیت کے دروبست پر قبضہ کر لیا ہے، سیاسی استعمار کے بعد معاشی استعمار نے خودمختاری کے لفظ کو بے معنی کر کے رکھ دیا ہے، جس سے یک طرفہ طور پر پوری دنیا میں کرپشن پھیل گیا ہے، زندگی کے پہلے سانس سے لے کر نزع کی کیفیت تک، سورج کی پہلی کرن سے لے کر آخری کرن تک، شب کے سائے، دن کے اجالے سب کرپشن میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس میں نہ جغرافیائی حدود وقیود کی پابندی ہے نہ لسانیات کی تمیز، ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کا استحصال کر رہی ہے، پسماندہ ومفلس ناکردہ جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہا ہے، دنیا حقیقتاً ظہر الفساد فی البر والبحر کی مصداق بنی ہوئی ہے، ایسے حالات میں پوری دنیا کو اسلام ازم کی ضرورت ہے، اس کے تجربہ کی ضرورت، اس کے نظام رحمت کو اپنانے کی ضرورت، اس کے معادلانہ نظام کو اختیار کرنے میں اس کا فائدہ ہے، اس کے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی اور انسان کی فطرت سے ہم آہنگ امن وسلامتی کے ضامن اسلامی نظام کی ضرورت ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کے دامن میں عقیدہ وایمان کی دل آویزی ہے، عدل وانصاف کا خزانہ ہے، رحمتوں کا آب شار ہے، امارت وغربت کے لیے تسلی بخش لائحہ عمل ہے، انسان کو ناپنے کے پیمانے ہیں، سلطنتوں کو چلانے کے اصول ہیں، احسان ومساوات کے بہترین نمونے ہیں، ظلم وجبر کے خلاف احتجاج کے طریقے ہیں، تحریکوں وتنظیموں کے ضابطے ہیں، تعلیم وتربیت کے آداب ہیں، معیشت ومعاشرت کا نظام ہے، رہن سہن کے اخلاق واطوار ہیں، اس میں بکری چرانے والے اور امیر المومنین کے لیے یکساں قانون ہے، انفس وآفاق کی وسعتوں و پہنائیوں پر غور وفکر کا سلیقہ ہے، یہ وہ آفاقی نظام ہے جس میں تمام مخلوق کی بنیادی ضرورتوں وتقاضوں کا

خیال رکھا گیا ہے، برسوں سے یہ قانون الٰہی فطرت کے مطابق کام کر رہا ہے، دنیا کے لیے ضروری ہے وہ اب اس پر ایمان لائے اور اسے اپنانے کی کوشش کرے۔

لیکن تعصب وتنگ نظری نے آنکھوں پر کالا غلاف چڑھا کر اس کے خلاف ایک پروپیگنڈہ کر رکھا ہے اور ہر طرح سے ذرائع ابلاغ پر قبضہ کر کے اس کے چہرۂ صافی کو گدلا کرنے کی ناپاک مہم چھیڑ رکھی ہے، اس تہذیب کے خلاف پوری سامراجیت، صہیونی لابی، تثلیث کے بے ہنگم عقیدے اور شرک کی غلاظت نے ایک شور وغوغا کر رکھا ہے، انہیں ڈر ہے کہ ہمارے یہ کھوکھلے نعرے جو جلد ہی دم توڑنے والے ہیں اور ہماری تہذیب کا دم واپسیں ہے، کہیں دنیا لپک کر ان شعلوں سے دامن نہ چھڑا لے اور اسلام کے نظام رحمت کو نہ اپنا لے، اسی لیے چاروں طرف سے اس پر یلغار ہے، طرح طرح کی اصطلاحات ایجاد کر کے اسے بدنام کرنے کی کوششیں جاری ہیں، لیکن مغرب کا یہ طوفان بلاخیز تہذیب اسلامی کے سامنے گرداب کی طرح سمٹ کر رہ جائے گا اور یہ تہذیب اپنے تمام اسباب وسائل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے گی، کیونکہ اس کے پاس ظاہری طاقت وقوت بھی ہے اور روحانی وایمانی جاہ وجلال بھی، سنت رسول اللہ ﷺ کا معطر خزینہ بھی ہے اور خود احتسابی کا جذبہ بھی، صرف اسے استعمال کرنے کی ضرورت ہے، اب حالات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ عالم اسلام کروٹ لے رہا ہے، اسے اپنے عددی طاقت، مادی وسائل اور فطرت کے مطابق قانون الٰہی پر زبردست اعتماد ہے اور یہی قانون فطرت عالم انسانیت کی رہنمائی کر سکتا ہے، اس بات کی کوششیں تیز تر ہونے لگی ہیں کہ سامراج کے معاشی استعمار سے بھی کسی طرح پیچھا چھڑایا جائے، اس لیے کہ اس وقت سیاسی استعمار اور فکری غلامی سے زیادہ اہم ترین مسئلہ معاشی استعمار کا ہے، اس جانب بھی تیزی کے ساتھ پیش رفت ہو رہی ہے، اس دور میں برق رفتاری کے ساتھ انقلابات رونما ہو رہے ہیں، قومیں اٹھتی، ابھرتی اور دم توڑ دیتی ہیں، مسائل یکبارگی جنم لیتے ہیں، ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا، فتنے نمودار ہوتے ہیں، ملت اسلامیہ کے خلاف جنگ تیز تر ہوتی ہے، نئی نئی اصطلاحات وجود میں آتی ہیں، لیکن کچھ دن گذرنے کے بعد حرف غلط کی طرح ختم ہو جاتی ہیں، ان حالات میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کا تعارف اس حیثیت سے کرائے کہ وہ ایک نظام رحمت ہے، دنیا کو اسی کے سائے میں چین وسکون نصیب ہو سکتا ہے۔

ابوالقاسم الزہراوی (Father of Surgeries)

''ابوالقاسم بن خلف بن عباس قرطبہ کی نواحی بستی الزہرا میں 1030ء کو پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے الزہراوی کہلائے، البتہ یورپ میں Abulcasis اور Alsahravius جیسے ناموں سے مشہور ہیں، طب کی دنیا میں آپ دنیا کے سب سے پہلے سرجن ہیں۔

زہراوی سے قبل صرف علاج بالدواء کا طریقہ رائج تھا، زہراوی نے اپنے تجربات کے بعد سرجری کے ذریعہ علاج کے طریقے کو مرتب کیا اور اسے ایک مستقل فن بنا دیا، اس نے سر سے پاؤں تک ان امراض کی نشان دہی کی جن کا علاج سرجری سے کیا جا سکتا ہے۔

الزہراوی پہلے طبیب ہیں جنھوں نے آپریشن کیا، جراحی کے آلات کو عملاً متعارف کرایا، آنکھوں اور دانتوں کی سرجری کی، قطع اعضاء اور پٹی باندھنے کے عملی طریقے بیان کیے، ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کا طریقہ بتایا، کٹی ہوئی شریانوں کا خون بند کرنے کے لیے انھیں باندھنے اور ہڈیوں کو جوڑنے کے بعد ان پر پلستر چڑھانے کے طریقے بتائے، زخموں کو ٹانکنے کے لیے دھاگوں اور تانتوں کا استعمال کرنا بھی انہیں کی اختراع ہے، مزید برآں آپریشن سے پہلے مسکن دوا کھلانا بھی الزہراوی ہی کی ایجاد ہے۔

زہراوی نے ''التصریف لمن عجز عن التألیف'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی تحریر کی ہے جو طب کی تاریخ میں ایک زریں کارنامہ ہے، اس کتاب میں تقریباً دو سو ایسے آلات کی تصویریں ہیں جو عمل جراحی میں درکار ہوتے ہیں۔''

بھوک اور خوف

عبدالسبحان ناخداندوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کی عبادت کے لیے گھر بنایا تو پورے مکہ شہر کے لیے امن اور بہت حد تک خوشحالی کی دعا فرمائی، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾(البقرة: ۱۲۶) (یاد رکھنے کے لائق ہے وہ وقت جب ابراہیم نے کہا؛ میرے رب! اسے امن والا شہر بنادے اور یہاں کے لوگوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرما ان کو جو ان میں اللہ پر ایمان رکھیں اور آخرت کے دن پر، (ارشاد ہوا) جو کفر کرے گا اسے (بھی) میں تھوڑی مدت تک فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے)

بھوک اور خوف یہ دو ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے انسان کسی صورت اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاسکتا، ایک گھر کے معمولی نظام سے لے کر عالمی بین الاقوامی نظام کو درست رکھنے کے لیے خوف اور بھوک سے مامون ہونا ضروری ہے، عمرانیات کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو حکومت اپنی رعایا کے لیے بھوک اور خوف سے حفاظت کا انتظام نہیں کرسکتی، وہ لاکھ ترقی کے باوجود کبھی فلاحی ریاست کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی، نہ ہی رعایا کی نظر میں وقار اور اعتبار پاسکتی ہے، دوسرے اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی پیغام دیا کہ اللہ کی مسجدوں کو ہر قسم کے جھگڑوں اور لڑائیوں سے پاک رکھنا بے حد ضروری ہے، عبادت الٰہی سکون سے ادا کرنے کا عمل ہے، بے چینی کے ساتھ نہیں، رسول ﷺ نے فرمایا:

"إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها تسعون وعليكم السكينة فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا" (جب نماز قائم ہو تو بھاگتے دوڑتے نہ آؤ، تم اس حال میں آؤ کہ تم پر سکون کی کیفیت چھائی ہوئی ہو، پھر نماز کا جتنا حصہ ملے وہ ادا کرو، جو حصہ چھوٹ جائے اسے بعد میں پورا کرلو) (متفق علیہ)

خود قرآن کریم میں صلاۃ الخوف کے احکامات کے بعد یہ کہا گیا ہے: ﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (پھر جب تمہیں پورا اطمینان ہوجائے تو پوری طرح نماز قائم کرو)

یعنی صلاۃ الخوف کے احکام ہنگامی وقت کے احکام ہیں، جب مکمل اطمینان ہوجائے تو پھر نماز کو مکمل قائم کرو۔ جو لوگ مسجدوں میں آئے دن جھگڑتے رہتے ہیں ان کے لیے یہ آیت پیغام رکھتی ہے کہ ان کا یہ طرز عمل اقامت صلاۃ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، لہٰذا وہ مسجدوں کے آباد کرنے والے نہیں، بلکہ اس کی حرمت کو پامال کرنے والے ہیں، اسی طرح لوگوں کو خوف اور بھوک سے محفوظ رکھنا اہل اسلام کی نمایاں شناخت اور ان کی بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے، لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا اور ان کی بھوک کو رفع نہ کرنا کفر کی نشانی اور کافرانہ عمل قرار دیا گیا ہے:

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ☆ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ☆ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾ (کیا آپ نے اسے دیکھا (کہ کتنا غلیظ شخص ہے) جو جزا وسزا (یعنی قیامت) کو جھٹلاتا ہے، یہی تو ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ نہیں کرتا)

یتیم کو دھکے دینا اس پر خوف کو مسلط رکھنا ہے اور اسے کھانا کھلانے پر آمادہ نہ کرنا اسے بھوکا مارنا ہے اور یہ کام قیامت کو جھٹلانے والوں سے ہوسکتے ہیں، اللہ کے سامنے حاضری کا یقین رکھنے والوں سے نہیں ہوسکتے، نبی ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو عمومی طور پر صحابہ کو ان کاموں کی طرف توجہ دلائی، تاکہ اسلامی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ ان کے سامنے رہے، ارشاد فرمایا:

"يا أيها الناس! أفشوا السلام وأطعموا الطعام وصلوا

الأرحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام" (لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، راتوں کو نمازیں پڑھو، جب کہ لوگ سو رہے ہوں، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے)

سلام کو عام کرنا یہ پرامن ماحول بنانا ہے، کھانا کھلانا یہ بھوک کا خاتمہ کرنا ہے، صلہ رحمی کرنا یہ دونوں کاموں کو بیک وقت کرنا ہے، راتوں کو نمازیں پڑھنا یہ عبادت الٰہی ہے جو اصل مقصود ہے، مزید اس کی طرف اشارہ ہے کہ پرامن کیفیت کو قائم کر کے اللہ کی خوب عبادت کی جائے، "والناس نيام" اس میں ایک عام حکم تو یہ ہے کہ لوگ جب نیند کے مزے لے رہے ہوں اس وقت تم اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے انتہائی پسندیدہ بندے بن جاؤ، دوسری طرف اس کا بھی لطیف اشارہ ہے کہ تم امن وسلامتی کو عام کر کے لوگوں کی بھوک کو مٹا کر ایسا ماحول بھی فراہم کرو کہ لوگ چین کی نیند سوسکیں، ورنہ خوف اور بھوک کی حالت میں وہ اطمینان کی نیند کہاں سے پاسکیں گے، امن اور خوشحالی اللہ کی عبادت کے لیے مطلوب ہے، اگر ان کو نافرمانی کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے چھین لی جاسکتی ہیں، اسی لیے حضرت ابراہیم نے اس دعا کے معاً بعد یہ بھی دعا فرمائی کہ مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا، ورنہ خالی امن اور خوشحالی سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں، یہ دعا تفصیلی طور پر سورۂ ابراہیم میں مذکور ہے، جس کا پہلا جملہ یہ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـٰذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الأَصْنَام﴾ (جب ابراہیم نے کہا کہ بارالٰہا! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میرے اولاد کو بتوں کی عبادت سے ہمیشہ محفوظ رکھ)

امن اور خوشحالی ذریعہ ہے عبادت الٰہی کا، اگر کوئی ان ہی کو مقصود سمجھ کر اللہ کی یاد سے غافل ہوجائے تو یہ نعمتیں چھین لی جاسکتی ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّـهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّهِ فَأَذَاقَهَا اللّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُواْ يَصْنَعُون﴾ (اللہ ایک علاقہ کی مثال پیش کرتا ہے جو نہایت ماموں ومطمئن تھا، اس کا رزق ہر جگہ سے فراوانی کے ساتھ اسے پہنچا کرتا تھا، اس علاقہ نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ نے اسے بھوک کا لباس پہنایا اور خوف کا مزہ چکھایا، ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے)

مکہ بے آب وگیاہ وادی تھی، جہاں کوئی چیز اگتی نہ تھی، اللہ کی شان کہ اس نے بے آب وگیاہ وادی کو اپنا سب سے پسندیدہ مقام بنایا، وہاں کی معیشت کے لیے ضروری تھا کہ دنیا بھر سے کھانے پینے کا سامان وہاں پہنچے، حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لیے ہر طرح کے پھلوں کی دعا فرمائی، جب میووں کے لیے دعا ہوئی جو کہ لطف اٹھانے کے لیے کھائے جاتے ہیں تو خود بخود اس دعا میں اشیاء خورد ونوش کا بھی ذکر آ گیا جو بھوک مٹانے کے لیے کھائی جاتی ہیں، لہٰذا آپ کی دعا ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق ہوئی۔

دعا میں حسن ادب کو پیش نظر رکھا گیا ہے، منصب امامت کے تعلق سے جب اللہ کا یہ فرمان سنا کہ میرا عہد ظالموں کو حاصل ہونے والا نہیں تو رزق کے تعلق سے بھی یہ خیال گذرا کہ شاید نافرمانوں پر رزق کے دروازے بھی بند ہوں، اس لیے دعا میں اہل ایمان کا بالخصوص ذکر کیا کہ کہیں عمومی طور پر سب کے لیے رزق کی دعا شاید اللہ کو پسند نہ آئے، اللہ رب العزت نے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ رزق تو کافروں کو بھی ملے گا، لیکن اس کے ساتھ اللہ کی رضا مندی نہیں ہوگی، حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر تھا کہ ہزاروں سال سے اہل مکہ کو فراوانی سے رزق مل رہا ہے، حالانکہ وہ پورا علاقہ بے آب وگیاہ ہے، وہاں سبزہ نہیں اگتا، نہ کھیتی کی جاسکتی ہے، لیکن اللہ نے محض اپنی عبادت کی برکت سے اس پورے خطے کو مالا مال رکھا، اب اس آخری دور میں تو اور زیادہ فراوانی نظر آرہی ہے، اللہ نظر بد سے بچائے اور وہاں کے باشندوں کو صحیح شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

زکوٰۃ کے چند مسائل ۴

مفتی راشد حسین ندوی

بچوں کی شادی کے لیے رکھے زیورات پر زکوٰۃ:

بہت سے لوگ بچوں کی شادی کے لیے کافی پہلے سے زیورات رکھ لیتے ہیں، تو اگر ان زیورات کا مالک بچوں کو بنادیا ہے تو جب تک وہ نابالغ ہیں، ان زیورات کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور بالغ ہونے کے بعد اگر زکوٰۃ کی شرائط پوری ہورہی ہوں یعنی وہ زیورات نصاب تک پہنچ رہے ہوں تو سال گزرنے پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر بچوں کو مالک نہیں بنایا تو ان کی زکوٰۃ گزشتہ ضابطوں کے مطابق جس نے زیورات رکھے ہیں اور جو مالک ہے اس پر واجب ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۷۲)

عورت کے مہر کی زکوٰۃ:

عورت کا مہر جب تک اس کے قبضہ میں نہ آجائے اس وقت تک اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، قبضہ میں آنے کے بعد اس کا حساب شروع ہوگا۔ (ہندیہ:۱۷۲)

عورت کے پاس جو زیورات ہیں ان کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

عورت کو اس کے میکہ سے جو زیورات ملتے ہیں ان کی مالک عورت ہوتی ہے اور جو زیور شوہر اس کو مہر کے طور پر دیتا ہے اس کی بھی مالک عورت ہوتی ہے اور جو زیورات شوہر یا اس کے گھر والوں کی طرف سے تحفہ اور ہبہ کی صراحت کرکے دیے جائیں ان کی بھی مالک عورت ہے اور جن زیورات کو شوہر کے گھر سے بغیر کسی وضاحت کے دیا جائے، اگر عرف یہ ہو کہ طلاق وغیرہ کی نوبت آنے پر ان کو واپس لیا جاتا ہے تو ان کا مالک شوہر ہوگا اور اگر واپسی کا عرف نہ ہو تو ان کو بھی ہبہ مانا جائے گا اور ان کی بھی مالک عورت ہوگی، جن زیورات کی عورت مالک ہے وہ نصاب تک پہنچ رہے ہوں تو ان کی زکوٰۃ عورت پر ہوگی، شوہر اس کی طرف سے ادا کردے تو ادا ہوجائے گی، لیکن شوہر کو ان زیورات کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر شوہر زکوٰۃ ادا نہ کرے اور عورت کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے پیسے نہ ہوں تو عورت انہی زیورات سے حسب ضابطہ یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے، یا کوئی زیور بیچ کر اس سے ادا کرے اور جن زیورات کا مالک شوہر ہے، اگر وہ نصاب تک پہنچ رہے ہوں تو ان کی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ ہوگی۔ (شامی:۱/۴-۵)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت کے اعتبار سے ہوگی؟

سونے چاندی کی خرید اور فروخت کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے، خرید کی قیمت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اگر فروخت کرنے جائیں تو سنار کچھ پرسنٹ کاٹ کر قیمت لگاتے ہیں تو زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کی فروخت کی قیمت کا حساب کرکے چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد نکالا جائے گا، اس لیے کہ زکوٰۃ اصلاً زیور کے چالیسویں حصہ پر ہے، یعنی چالیس گرام پر ایک گرام اور اس کی مارکیٹ میں وہی فروخت والی قیمت ہے۔ (شامی:۲/۳۳۱)

سال گزرنے کے بعد مال کا ہلاک یا چوری ہوجانا:

اگر کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال تھا، لیکن سال گزرا بھی نہیں تھا کہ وہ چوری ہوگیا یا سیلاب وغیرہ جیسی کسی آفت ارضی وسماوی کی وجہ سے ضائع ہوگیا تو اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور سال گزرنے کے بعد مال چوری یا ضائع ہوگیا تب بھی زکوٰۃ معاف ہوجائے گی، کل مال ضائع ہوا ہو تو کل مال کی اور کچھ ضائع ہوا ہو تو صرف ضائع ہونے والے مال کی۔

اس کے برخلاف سال پورا ہونے کے بعد اگر اس نے جان بوجھ کر مال کو ضائع کر دیا تو زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی اور بطور دین اس کے ذمہ باقی رہے گی۔ (ہندیہ:۱/۱۸۰)

درمیان سال مال میں کمی بیشی:

اگر درمیان سال مال میں کچھ کمی ہوجائے، لیکن سال کی شروعات اور خاتمہ پر وہ نصاب کے بقدر رہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اگر کسی کے پاس سونا چاندی یا روپیہ پیسہ بقدر نصاب ہو، پھر درمیان سال اس میں اضافہ ہوجائے تو اضافہ شدہ مال کا سال الگ سے شمار نہیں ہوگا، بلکہ جب پہلے سے موجود مال کا سال پورا ہوگا تو اس اضافہ شدہ مال کا بھی سال پورا قرار دیا جائے گا، لیکن اضافہ سال گزرنے کے بعد ہوا تو اس کا شمار اگلے سال کیا جائے گا اور اگر نصاب کے بقدر مال نہیں تھا تو اضافہ ہونے پر جس وقت سے وہ نصاب کے بقدر ہوا اس وقت سے سال جوڑا جائے گا۔ (ہندیہ:۱/۱۷۵)

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی:

اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہے تو سال مکمل ہونے سے پہلے بھی وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرسکتا ہے، مثلاً: اس کا سال ذی الحجہ میں پورا ہوگا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ رمضان المبارک ہی میں زکوٰۃ ادا کردیں تاکہ رمضان کی برکت سے اجر وثواب میں اضافہ ہوجائے، یا کوئی غریب اور نادار اس کو سخت حاجت کی حالت میں نظر آیا اور وہ چاہتا ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کریں تو ایسا کرنا جائز ہے اور سال پورا ہونے پر جتنی زکوٰۃ پہلے نکال چکا ہے اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہے تو وہ کئی سال کی زکوٰۃ بھی نکال سکتا ہے اور اگر ایک خاص مقدار میں مال کا مالک ہے اور سمجھتا ہے کہ سال گزرنے سے پہلے زیادہ کا مالک ہوجائے گا، لہٰذا زائد کی زکوٰۃ نکال دیتا ہے تو اگر واقعی مال میں اضافہ ہوگیا تو اس کی زکوٰۃ شرعی اعتبار سے مان لی جائے گی، لیکن اگر اضافہ نہیں ہوا تو یہ نفلی صدقہ ہوگا اور اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی، چنانچہ ادا کرنے کے بعد صاحب نصاب ہوگیا تو جو کچھ پہلے نکالا تھا، اس کو زکوٰۃ میں نہیں جوڑ سکتا، اس پورے مال کی الگ سے زکوٰۃ ادا کرے پہلے جو کچھ دیا وہ نفلی صدقہ ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۷۶، شامی:۲/۲۹)

زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت نیت شرط ہے:

زکوٰۃ اسی صورت میں ادا ہوگی جب دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہو، چنانچہ اگر کسی محتاج کی مدد کی، لیکن دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں تھی، بعد میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلیں تو دیکھا جائے، اگر وہ محتاج اس رقم کو صرف کرچکا ہو تو اب اس میں زکوٰۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی، لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ابھی اس نے رقم صرف نہیں کی ہے تو اب بھی زکوٰۃ کی نیت کرلینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اگر زکوٰۃ کا حساب کرکے زکوٰۃ کی رقم الگ رکھ لی کہ اس میں سے حاجت مندوں کو دیتے رہیں گے تو اب اگر دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ بھی رہی تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن یہ الگ رکھا ہوا مال اگر ضائع ہوجائے تو زکوٰۃ الگ سے ادا کرنی ہوگی۔ (شامی:۲/۱۱-۱۳)

زکوٰۃ کی ادائیگی سامان سے:

جس چیز کی زکوٰۃ ادا کررہا ہے بعینہٖ اسی کے چالیسویں حصہ کا دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کی قیمت دینا بھی نہ صرف جائز بلکہ فقہاء کے نزدیک افضل ہے اور اگر اس قیمت سے کوئی سامان خرید کر دیدے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی:۲/۶۸۱)

سفراء کا زکوٰۃ کے روپیئے تبدیل کرنا:

مدرسہ کا سفیر یا مالک کا وکیل امین ہوتا ہے اور جس کے پاس امانت ہو اس کے لیے اصلاً اس میں تبدیلی کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر ضرورت ہو تو نوٹ بدلنے اور تڑانے کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں روپئے متعین نہیں ہوتے، بلکہ اصل میں مالیت متعین ہوتی ہے۔ (کتاب المسائل:۲/۱۵۴)

سادگی کا اعلیٰ نمونہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، آپ کا شمار اولین حلقہ بگوشان اسلام میں ہوتا ہے، آپ نے پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے جہاں حضرت سعد بن الربیع سے ان کی مؤاخات ہوئی اور انہوں نے اپنا سب کچھ ان کے لیے قربان کر دینا چاہا، مگر انہوں نے کہا کہ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو، میں اپنی گزر کا بندوبست خود کرلوں گا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو تجارت میں بڑی برکت حاصل تھی، اسی لیے ان کو تاجر الرحمٰن کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اہم غزوات میں آپ نے بڑے جذبہ اور پامردی کا مظاہرہ کیا ہے، حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے دست مبارک پر بیعت ہونے والوں میں تیسرا ہاتھ آپ ہی کا تھا، وہ حضرات شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے خاص مشیروں میں بھی تھے، اللہ نے ان کو علم وفضل کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، کئی اہم مواقع پر انہی کی رائے پر عمل ہوا، ان کو خوف خدا اور فکر آخرت کا جذبہ بہت زیادہ لاحق رہتا تھا، اسی لیے مال ومنال کی ان کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہ تھی، ایثار اور راہ خدا میں خرچ کرنے کا غیر معمولی جذبہ موجود تھا، ایک مرتبہ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا جو سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور ان پر گیہوں آٹا اور دیگر اشیائے خوردنی بھی تھیں، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے وہ تمام سامان حتی کہ سواری کے کجاوہ کو بھی راہ خدا میں وقف کر دیا، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حضور اکرم ﷺ کی بشارت سنائی تھی کہ عبد الرحمٰن جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے۔ ایسے غیر معمولی دولت مند ہونے کے باوجود ان کی ذاتی زندگی انتہائی سادہ اور فقر وفاقہ کی تھی، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا اتباع اور آپ کی ذات سے محبت بھی حد درجہ تھی۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ حاضر دربار رسالت ہوئے تو آپ کے اوپر کچھ زرد نشانات لگے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے سبب دریافت کیا تو بتایا کہ میری شادی ہو چکی ہے یہ اسی کے نشانات ہیں، آپ ﷺ نے دعائے خیر سے نوازا اور ارشاد فرمایا کہ تم ولیمہ ضرور کرو، خواہ ایک ہی بکری کا کیوں نہ ہو۔

یہ مختصر سا واقعہ الفاظ کے اعتبار سے بہت کم ہے، مگر معانی کے لحاظ سے بہت ہے، غور کا مقام ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ ایک جلیل القدر مہاجر صحابی تھے، حضور اکرم ﷺ سے دور کی رشتہ داری بھی تھی اور ان کی کل کائنات رسول اللہ ﷺ کی ذات اطہر ہی تھی، لیکن اندازہ کریں کہ اس کے باوجود انہوں نے اپنی شادی کیسی سادگی کے ساتھ کی ہوگی، جس کا علم خود حضور اکرم ﷺ ہی کو نہ تھا، جب کہ مدینہ منورہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد گنی چنی ہی تھی، اس واقعہ میں یہ پہلو بھی قابل اسوہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو نکاح کی خبر ملی، تو آپ نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ دعائیں دیں اور سادگی کے ساتھ ولیمہ کی بات کہی۔

بلاشبہ شادی انسانی زندگی کی ایک بڑی ضرورت ہے اور مسلسل ایک عبادت ہے، انسانی تحفظ وبقا کے لیے یہ ایک ضروری عمل ہے، دین اسلام میں نہ صرف اس کی تعلیم بلکہ حکم موجود ہے، ارشاد نبوی ہے کہ اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کر سکتا ہو وہ ضرور کرے۔ شادی کیسی ہو اور شادی کے بعد زندگی کیسے گذاری جائے، اسلام میں اس کی تفصیلات وجزئیات بھی موجود ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جو سب سے کم خرچ والا ہو، ایک موقع پر آپ ﷺ نے ہدایت کی کہ نکاح مسجدوں ہی میں ہونا چاہیے اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے۔

نبوی تعلیمات اور اسوۂ صحابہ کو پیش نظر رکھ کر موجودہ دور کی شادیوں کا جائزہ لیا جائے تو کوئی میل نظر نہیں آتا، بلکہ بے تحاشا اسراف، بے جا تکلفات، اسلامی تعلیمات سے بے زاری کا اظہار اور لامحدود رسوم وخرافات کا ایک طوفان بلا خیز دکھتا ہے، جبکہ شادیوں کو سادہ بنانے کی اشد ضرورت ہے اور یہی باعث برکت بھی ہے۔

فتح وغلبہ کا حقیقی سرچشمہ

محمد نفیس خاں ندوی

معروف مستشرق میکس میرہوف (Max Meyerhof) اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ہمارے لیے یہ سمجھنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس طرح مختلف قبائل میں منقسم عربوں نے جو ضروری سامانِ جنگ سے بھی محروم تھے اس مختصر سی مدت میں ان رومیوں اور ایرانیوں کو شکست فاش دے دی جو اپنی تعداد اور سامان جنگ میں ان سے کئی گنا زائد اور فنون حرب میں ماہر تھے اور ایک منظّم لشکر کی حیثیت سے ان سے معرکہ آزما تھے۔''

تجزیہ نگاروں کے نزدیک تین بنیادی اسباب ہیں جن کے ذریعہ حکومتیں اور فوجیں اپنے حریفوں پر فتح وغلبہ پاتی ہیں:

۱-تعداد کی کثرت ۲-جنگی ساز وسامان ۳-عسکری تربیت

عرب اپنی آبادی اور رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھے، نیز جو جنگیں انھوں نے رومیوں اور ایرانیوں سے لڑیں وہ اپنے علاقہ سے باہر نکل کر لڑیں، وطن عزیز سے دور، مرکز اسلام سے جدا بالکل مسافرانہ حیثیت، جہاں بڑی دشواری اور طویل مدت کے بعد ہی کمک پہنچ سکتی تھی، ایسے میں ان کا سامانِ خورونوش اور ہتھیاروں کی مدد وہی تھی جسے وہ اپنے دشمن سے چھین سکتے تھے۔اس کے برعکس انھوں نے جن ممالک پر لشکر کشی کی تھی وہ نہایت ہی زرخیز و شاداب ملک تھے، دشمن فوجوں کے جتھے بادلوں کی طرح اُمڈتے چلے آتے تھے اور ملک کے ہر حصہ میں ان کو آسانی کے ساتھ رسد پہنچتی تھی، بالفرض اگر پورا جزیرۃ العرب بھی ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے نکل آتا جو گرچہ عقلاً محال ہے تب بھی ایران وروم کے مقابلہ جو دنیا کی آبادی کا نصف حصہ تھے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی، حالانکہ جو عرب ان سے جنگ کے لیے نکلے تھے ان کی مجموعی تعداد بیس فیصد سے بھی زیادہ نہ تھی۔

تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ مسلمان اور ان کے حریفوں کی تمام بڑی اور فیصلہ کن جنگوں میں فریقین کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا، رومیوں اور ایرانیوں کی تعداد اکثر جنگوں میں کئی گنا زیادہ تھی۔

مسلمانوں کی قلت اور ان کے دشمن ایرانیوں اور رومیوں کی کثرت کا اعتراف تمام مؤرخین نے کیا ہے، کسی ایک مؤرخ نے بھی مسلمانوں کی فتح کے اسباب میں ''عددی فوقیت'' کا ذکر نہیں کیا ہے۔

جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ سے پچیس ہزار تک ذکر کی گئی ہے جبکہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ بیان کی گئی ہے۔

قریب قریب یہی تناسب جنگ قادسیہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے مابین بھی تھا، تعداد کے اس عظیم تفاوت کے باوجود ان جنگوں کا نتیجہ مسلم تاریخ کا سنہرا باب ہے۔

رہی بات ساز وسامان کی تو جنگی اسلحوں میں عربوں کی حالت اور بھی زیادہ کمزور و پست اور بے حیثیت تھی، نہ وہ منظّم لشکر تھے اور نہ کسی حکومت کے باتنخواہ فوجی تھے کہ حکومت اپنی سطح پر اسلحہ وغیرہ مہیا کرتی اور کیل ٹانکے سے درست کرکے میدان جنگ میں روانہ کرتی۔

مسلمانوں کی بے سروسامانی، بوسیدہ لباس، پھٹے پرانے جوتے اور ان کے ضعیف ولاغر گھوڑوں کو دیکھ کر اہل ایران ٹھٹھا کرتے تھے اور حیران بھی تھے کہ یہ خستہ حال لوگ کس طرح اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کریں گے جو ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہے!

جہاں تک تعلق ہے عربوں کے جنگی نظام وعسکری تربیت کا تو اس سے انکار نہیں کہ وہ جنگ کے خوگر تھے، دلیر وبہادر تھے اور اپنی اَنا کی خاطر چالیس سال تک جنگ کی بھٹی میں سلگنے کو بھی تیار تھے لیکن ان کی

یہ ساری بہادریاں آپسی خانہ جنگیوں تک ہی محدود تھیں، روم وایران سے ہمیشہ خائف رہتے اوران عظیم سلطنتوں سے ٹکرانے کی کبھی جرأت نہ کر سکتے تھے، ان کی جنگی مہارتوں کا دائرہ بہت ہی محدود تھا، وہ حبشہ سے شکست کھا چکے تھے، ایران کے مطیع وفرمانبردار ہو چکے تھے اور جب ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تو نہ صرف بے بس ہوکر مکہ کو خالی کر دیا بلکہ خانۂ خدا کی حفاظت سے بھی اپنا دامن جھاڑ لیا۔

عرب کے بالمقابل روم وایران کا جنگی نظام اس زمانہ میں بہت ترقی یافتہ تھا، روم کی بازنطینی حکومت ساتویں صدی میں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی، ایران وروم میں جو جنگیں ہوئیں ان سے دونوں کو بہت کچھ تجربات ہوئے، جنگ کے نئے نئے طریقے معلوم ہوئے، اب ایسے میں یہ خیال کرنا کہ عرب اپنے قبائلی جنگوں کی وجہ سے اتنے مشاق اور طاقتور ہوگئے تھے کہ انھوں نے روم اور ایران کی شہنشاہیت کو شکست دے دی نہایت ہی غیر معقول بات ہے، کیونکہ اگر اس خیال کو صحیح مان لیا جائے کہ عربوں کی فتوحات کا راز ان کی جنگی قابلیت ہے تو یہ سوال اٹھنا یقینی ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل انھوں نے اپنے جزیرہ سے نکلنے اور دوسروں پر حملہ کرنے کی جرأت کیوں نہ کی؟ بعثت نبوی سے پہلے روم وایران کے سامنے وہ سینہ سپر کیوں نہ ہوئے؟ صدیوں تک وہ ایران وروم سے لرزاں وخائف کیوں رہے؟!

ایمان کی طاقت

عربوں کی شاندار فتوحات اور تاریخ انسانی کے اس حیرت انگیز انقلاب کی وجہ صرف اور صرف وہ ایمانی طاقت ہے جس نے عربوں میں ایک نئی روح پھونک دی اوران کے اندر ایک نیا جوش وولولہ پیدا کر دیا، وہ پہلے کی طرح بے نظم اور لامذہب نہیں رہے، بلکہ وہ ایک زندہ مذہب کے حامل اور ایک زبردست قوت کے مالک ہوگئے، اللہ کے رسول (ﷺ) نے ان کی ایسی ایمانی تربیت فرمائی کہ ان کی دنیا ہی بدل گئی، وہ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

انھیں احساس ہوا کہ اللہ نے انھیں اس لیے مبعوث کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، انسانوں کی بندگی سے چھڑا کر خدا کی بندگی پر آمادہ کریں، انھیں یقین تھا کہ اللہ نے انھیں زمین کا وارث بنایا ہے۔

ایمان کی قوت نے عربوں کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا، وہ دنیا کے لیے اور دنیا ان کے لیے بالکل بدل گئی، جو دنیا ان کے لیے حیرت واستعجاب کا باعث تھی اور جسے وہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اب ان کی نظروں میں وہ حقیر اور بے مایہ ہوگئی، جن قوموں اور جماعتوں کو وہ ہمیشہ عزت واحترام اور رشک وتعظیم کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، انسان کی صورت میں جانوروں اور چوپاؤں سے زیادہ ان کی حیثیت نہ بچی، ان کی ظاہری شان وشوکت، دنیوی ساز وسامان اور ان کا ٹھاٹ وزینت سب حقیر ہوگیا۔

اب تک ان کی زندگیاں بے مقصد تھیں، ایمان کی دولت نے انھیں زندگی کا مقصد عطا کیا، ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ پختہ ہوگیا کہ وہ دنیا کے لیے نہیں بلکہ دنیا ان کے لیے برپا کی گئی ہے اور وہ دین کے فروغ کی جدوجہد اور عام انسانوں کی ہدایت کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔

ایمان کی قوت نے ان کے اندر یہ یقین پیدا کر دیا کہ خدا ہی ان کی مدد کا ضامن ہے اور اس نے ان سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا، انھیں خدا اور اس کے رسول پر پورا ایمان تھا، قلت وکثرت کا سوال ان کے لیے ہیچ ہوگیا، خطرات کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہا اوران کے اندرون میں ایسی بے پناہ قوت پیدا ہوگئی کہ کیسے ہی ناخوشگوار وناموافق حالات پیش آتے ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آتی، ان کے سکون واطمینان میں کوئی فرق نہ پڑتا، تعداد اور ساز وسامان کو وہ بے حیثیت سمجھنے لگے اور اسباب کی پرستش سے بے نیاز ہوگئے۔ ایمان کی اس عظیم طاقت کے ذریعہ انھوں نے وہ محیر العقول کارنامے انجام دیے کہ اگر تواتر کے ساتھ تاریخی شہادتیں نہ ہوتیں تو ان کی حیثیت من گھڑت کہانیوں اور تفریحی افسانوں سے زیادہ نہ ہوتی۔

اصلاحی خطبات

چمن بچاؤ غم آشیاں کا وقت نہیں

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''اس پرآشوب دور میں بھی جب کہ ہمارے دشمنوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے، ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ طرح طرح کی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں، جاہ واقتدار کے لیے آپس کی لڑائیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، خود علمی اور دینی سطح پر ہماری بہت سی قیمتی توانائیاں اصل دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے ان فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہورہی ہیں جو نہ کبھی طے ہوئے ہیں نہ ہوسکتے ہیں، ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کا گریبان تھامنے، اس پر کیچڑ اچھالنے اور اسے طعن وتشنیع کا ہدف بنانے میں اس قدر محو ہوچکے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے اصل مسائل ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور اصول دین کا میدان ہم نے دشمن کی یلغار کے لیے خالی چھوڑ رکھا ہے۔

اتحاد واتفاق کی ضرورت واہمیت وہ چیز ہے جس کے بارے میں آج تک کسی کو کوئی کلام نہیں ہوا، شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو باہمی جھگڑوں کو مضر اور خطرناک نہ سمجھتا ہو، لیکن اس کے باوجود انتشار وافتراق کی جو الم ناک صورت ہمارے سامنے ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اتحاد واتفاق کے مفہوم کو صحیح طور سے سمجھا نہیں گیا، ہم میں سے بعض حضرات تو وہ ہیں جو اتحاد اور اتفاق کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ تمام مسلمان ہر ہر جزوی مسئلہ میں ان کے نظریات کو تسلیم کرلیں، لہٰذا جب تک کوئی شخص ان نظریات کو نہ اپنائے جنہیں وہ درست سمجھتے ہیں، اس وقت تک وہ اس کے ساتھ کسی اشتراک عمل اور کسی قسم کے تعاون کو گوارا نہیں کرتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تمام تر توانائیاں اپنے مخصوص فروعی مسلک کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہوتی ہیں اور وہ اس مسلک کی تبلیغ کے لیے بسا اوقات ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں جو دوسروں کو قریب لانے کے بجائے افتراق انتشار کی فضا کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔''

(البلاغ، اپریل ۱۹۶۸ء، صفحہ: ۳-۴)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 13 ✦ November 2021 ✦ Issue: 11

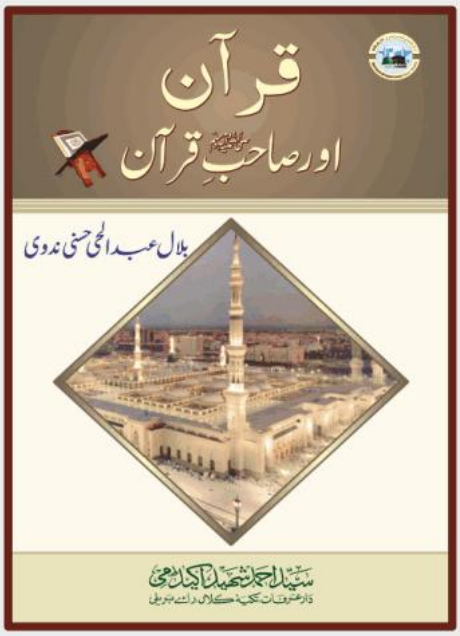

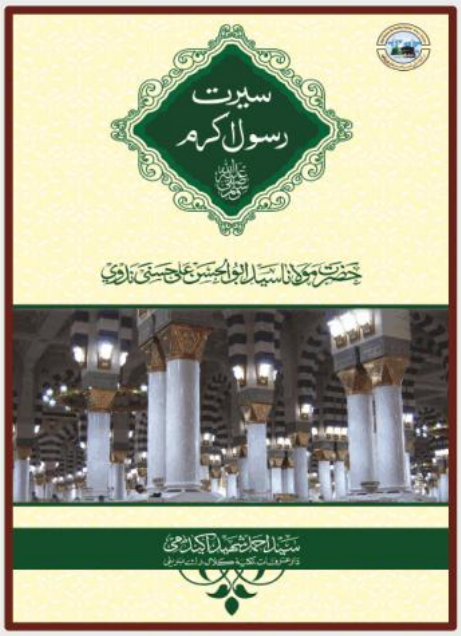

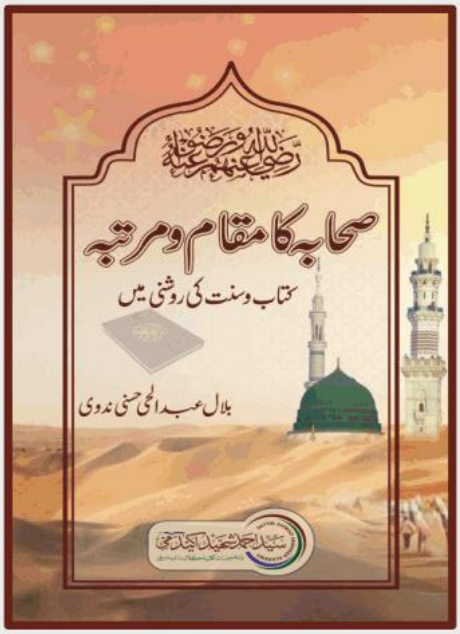

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)